حیات بعد الممات ۔ قدرت الٰہیہ کی ظاہری علامات

محمد اعظم سعیدی
مہتمم جامعہ اسلامیہ کورے وال، کراچی

فقلنا اضربوه ببعضها كذالك يحى الله الموتى ويريكم ايته لعلكم تعقلون۔

ترجمہ۔ سو ہم نے کہا کہ اس کے ایک حصے (ٹکڑے) سے اس مقتول کو مارو۔ اسی طرح زندہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ مردوں کو اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ (سورۂ بقرہ آیت ۷۳)

اس میں لفظ ایٰتہ استعمال ہوا ہے جو کہ اصل موضوع سخن ہے مگر پہلے یہ دیکھنا ہے کہ آیت کا معنی و مفہوم اور مراد کیا ہے۔ آیت ہر قسم کی عقلی و نقلی دلیل کو کہتے ہیں جبکہ اس کا معنی برہان، علامت و نشان، ذات اور جماعت بھی ہے۔

آیت کا معنی، نشان، حجت ظاہری، بالکل حق، جس میں شک کی گنجائش نہ ہو۔ قرآن، توریت، انجیل کا فقرہ یعنی کتب سماوی کا جملہ (فیروز اللغات ص ۴۹ مطبوعہ فیروز سنز سن ندارد)

صاحب تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی کہتے ہیں قرآن کے جملے کو آیت اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل، یا حضور اکرم ﷺ کی نبوت کی علامت و نشانی ہوتی ہے۔ یا ایک مفہوم پر مشتمل حروف کا مجموعہ ہوتا ہے یا اپنے ما بعد کلام سے منفرد یا انسانی کلام سے علیحدہ ہونے کی پہچان ہے (بحوالہ تفسیر نعیمی زیر آیت ۱۳۵)

سید قاسم محمود لکھتے ہیں (آیت) نشانی، علامت، سطر، مصرعہ، قرآن کا وہ جملہ جو اپنے معنی کو ایک حد تک مکمل کرے جس کی ابتداء اور ایک انتہا ہو۔ پوری کائنات کو ایک علامت قرار دیا جاسکتا ہے۔

اور بعض مصائب بھی ایک آیت کہلا سکتے ہیں۔ قرآن میں آیت کا لفظ عبرت کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اور قرآن کے ان جملوں کو بھی جو اپنا ایک واضح آغاز اور انجام رکھتے ہوں آیت کہتے ہیں (شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص ۶۱ مطبوعہ الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور سن ندارد)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے بعد مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے حوالے سے اپنی قدرت کاملہ پر بطور دلیل ظاہری آیت و علامت کا اظہار فرمایا ہے اور عقل مندوں کو یہ دعوت دی ہے کہ وہ اس ظاہری علامت و حجت میں غور و فکر کر کے ایک نظیر سے دوسری نظیر کو تسلیم کر لیں اور یہی عقل مندی کا تقاضہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ دلیل یا علامت کیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر اپنی قدرت کے لیے بطور نشانی ظاہر فرمایا ہے۔ اگرچہ چند دوسری نشانیاں بھی سورۂ بقرہ کی مختلف آیات میں اظہر من الشمس ہیں مگر اس حجت ظاہری کے قریب ترین جو واقعہ ہے وہ ایک مخصوص بچھڑے کو ذبح کرنے اور اس کے گوشت کے کسی ایک حصے کو کاٹ کر مقتول شخص کے جسم پر مارنے سے مقتول کے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا پتہ بتانے سے متعلق ہے۔ اس واقعہ کی مختصر تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

بنی اسرائیل کے ایک دولت مند شخص عامیل کو اس کے ایک رشتے دار نے یا بقول سدی اسکے بچازاد بھائی نے یا ایک قول کے مطابق اس کے سگے بھائی نے (بحر المحیط ج ۱ ص ۴۰۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت سن طباعت ۱۴۱۲ھ) اسے قتل کیا اور الزام دوسرے لوگوں پر رکھ دیا۔ پھر مدعی اور مدعیان علیہ دونوں قاتل کا معلوم کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بغیر ثبوت کے کسی کو قاتل ٹھہرانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تم ایک بچھڑا ذبح کرو، پھر اسکے گوشت کا کوئی ایک حصہ اس مقتول کے جسم پر لگاؤ تو وہ مقتول زندہ ہو کر تمہیں اپنے قاتل کے بارے میں بتا دیگا چنانچہ جب بچھڑا ذبح کیا گیا اور اس کے جسم میں سے ایک حصہ (بقول شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی (گائے) کے جسم کے حصے میں مختلف اقوال ہیں مثلاً زبان، دم، کان، ہڈی اور دل وغیرہ۔ تبیان القرآن زیر آیت ۷۳) کاٹ کر مقتول کے جسم پر مارا گیا تو وہ کچھ دیر کے لیے زندہ ہو گیا اور اپنے بھتیجے کی بطور قاتل نشاندہی کر کے پھر مر گیا، یہ ہے اس واقعہ کا خلاصہ جسے تقریباً ہر مفسر نے بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو اپنی قدرت کاملہ کی ایک نشانی قرار دیا ہے کہ جو ایک مقتول کو چالیس سال بعد (مدارک ج ۱ ص ۳۲ زیر آیت ۷۳) دنیا میں ہی دوبارہ زندگی عطا فرما سکتا ہے وہ قیامت کے بعد تمام انسانوں کو بھی دوبارہ زندہ فرما سکتا ہے جس طرح اس مقتول نے چالیس سال بعد زندہ ہو کر دنیا میں

اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کو تمہارے سامنے پیش کیا ہے اور اپنے قاتل کی نشاندہی کی ہے۔ اسی طرح بعد قیامت زندہ کیئے جانے والے جملہ انسان اپنی دنیاوی زندگی سے متعلق تمام سوالات کے جوابات دینگے اور اپنے اعمال و افعال کی تصدیق خود ہی کرینگے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی قدرت کا یہ نمونہ دکھا دیا ہے تاکہ تم اس نظیر پر غور کر کے قیامت کے بعد والی نظیر پر ایمان لے آؤ۔ نیز اللہ تعالیٰ ایسی نشانیاں اس لئے ظاہر فرماتا ہے کہ ایک تو تم عقل سے کام لے کر اس کی قدرت کاملہ پر استدلال کرسکو اور دوسرا تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے۔ چنانچہ صاحب مدارک لعلیریکم ایتہ کے ضمن میں لکھتے ہیں وھی ان من قدر علی احیاء نفس واحدۃ قدر علی احیاء جمیعھا یعنی جو ذات ایک مردہ کو زندہ کرسکتی ہے وہ تمام مردوں کو بھی دوبارہ خلعت حیات عطا کرسکتی ہے (مدارک ج اص ۴۴ زیر آیت ۷۳)

بچھڑا ذبح کرنے اور اس کے ذریعے قاتل کا پتہ لگانے کو ایک ہی واقعہ قرار دینا اگرچہ نظم قرآن کے اس لئے خلاف ہے کہ قرآن مجید میں واذ سے جتنے واقعات بیان ہوئے ہیں وہ سب اپنی نوعیت میں مستقل واقعات ہیں، اور یہ دونوں واقعات بھی الگ الگ واذ سے بیان کیے گئے ہیں پھر عامیل کے قتل ہونے اور بچھڑے کو تلاش کر کے ذبح کرنے کے درمیان ۴۰ سال کا وقفہ ہے، اس دوران لاش کا بے گور و کفن پڑے رہنا، لاش کا گلنے سڑنے اور متعفن ہونے سے محفوظ رہنا، موسمی اثرات و ماحولیات کا اثر وغیرہ قبول نہ کرنا، ایسی خلاف مشاہدہ باتیں اس تصور کو تقویت دیتی ہیں کہ بچھڑا ذبح کرنے کے حکم کا پس منظر کوئی اور واقعہ ہے۔ نیز طرہ یہ کہ بچھڑا ذبح کرنے کا حکم واقعہ قتل سے چالیس سال پہلے دیا گیا تھا۔ یہ اور اس طرح کے مزید دلائل ان دونوں واقعات کو الگ الگ ثابت کرتے ہیں مگر اسلاف مفسرین کی رعایت و تتبع میں ان دونوں واقعات کو تطبیق کی لڑی میں پرو کر ایک دوسرے سے جوڑا جاسکتا ہے۔

دونوں واقعات میں تطبیق یہ ہے کہ بنی اسرائیلوں کی کسی سرکشی، حکم عدولی یا بچھڑے پرستی پر بطور سزا انہیں بچھڑا ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ تو ان کی پہلوتہی، بہانے بازی اور حیل و حجت کے سبب ۴۰ سال بیت گئے، بالآخر جب دنیا کا مہنگا ترین وہ بچھڑا تلاش کرلیا گیا تو عین اس وقت عامیل قتل ہو گیا اور قاتل نے الزام دوسروں پر دھر دیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر قاتل کو بے نقاب کرنے کی درخواست کی۔ تو حضرت موسیٰ نے انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنایا کہ اسی بچھڑے کو ذبح کرو اور اسکے گوشت کا ایک حصہ مقتول کی لاش پر مارو تو وہ زندہ ہو کر قاتل کے بارے میں خود ہی بتادے گا۔ چنانچہ اس

حکم پر عمل ہوا اور مقتول نے زندہ ہو کر بتادیا کہ مجھے میرے بھتیجے نے قتل کیا ہے۔

دوسری تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ واقعی مقتول کے قاتل کو بے نقاب کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں بچھڑا ذبح کرنے کا حکم فرمایا مگر بنی اسرائیلی قاتل کو چھپانے اور بچھڑے سے اپنی عقیدت و محبت (جو سامری کے بچھڑے سے انکے دل میں در آئی تھی) کے باعث اس حکم پر عمل کرنے سے پہلوتہی کر رہے تھے جب کہ اللہ تعالیٰ قاتل کو بے نقاب کرنے کا ارادہ فرما چکے تھے۔ بنی اسرائیل جیسے جیسے حجتیں کر رہے تھے اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح ان کے لئے سخت شرائط میں اضافہ فرماتے گئے بالآخر انہوں نے انشاء اللہ کہا اور شرائط کے مطابق وہ بچھڑا تلاش کرلیا، پھر اسے ذبح کیا اور اس کے گوشت کا ایک حصہ مقتول عامیل کے جسم سے لگایا تو اس نے زندہ ہو کر بتادیا کہ میرا قاتل میرا بھتیجا ہے، وہ مقتول جو ۴۰ سال تک بے گور و کفن، صحیح سالم پڑا رہا تو یہ بھی قدرت الٰہی پر ایک دلیل ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ چالیس سال تک اس مقتول کو جوں کا توں رکھے اور اسے گوشت خور حیوانات و حشرات الارض سے بچائے رکھے جیسا کہ اس ذات قدیر نے فرعون کی لاش کو ۲۵۰۰ سال تک دریائے نیل کی ریت میں، بحری حیوانات اور زمین کی دست برد سے محفوظ رکھا یا حضرت عزیر علیہ السلام کو حالت نیند میں وہ بھی کھلے میدان میں ایک سو سال تک اور اصحاب کہف کو بھی ۳۰۹ سال تک غار میں اسی لباس میں بحفاظت رکھا یا حضرت یونس علیہ السلام کو باختلاف روایات پانچ سات یا چالیس دن مچھلی کے پیٹ میں بحفاظت زندہ و سلامت رکھا۔ چنانچہ اسی ذات قدیر نے اپنی قدرت سے اس عامیل مقتول کے جسم کو بھی ۴۰ سال تک بحفاظت رکھا اور اس مذبوحہ بچھڑے کے گوشت کو قاتل کو بے نقاب کرنے کا سبب بنایا ہو۔ نیز بنی اسرائیل کے لیے یہ کوئی نیا واقعہ نہیں تھا بلکہ تبیان القرآن ج اص ۳۵۳ کے مطابق اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے ستر بنی اسرائیلیوں کو زندہ فرما کر انہیں اپنی قدرت کا کرشمہ دکھایا تھا۔

اسلاف مفسرین کی مطاوعت کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ بچھڑا ذبح کرنے کا حکم اور عامیل کا زندہ ہو کر اپنے قاتل کی نشاندہی کرنا یہ دونوں الگ الگ مستقل واقعات ہیں، بچھڑا ذبح کرنے کا حکم عامیل کے قاتل کی نشاندہی کے لئے نہیں تھا بلکہ اس حکم کا پس منظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل صدیوں تک مصریوں کے ساتھ رہنے کے باعث گئو سالہ یعنی بچھڑا پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد اگرچہ عملاً وہ بچھڑا پرستی ترک کر چکے تھے لیکن بچھڑے سے ان کی انسیت اور تعظیم و احترام باقی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب سامری جادوگر نے بچھڑا بنایا تو اسے دیکھتے ہی سارے بنی اسرائیل سجدہ ریز ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے بچھڑے کی محبت کو مکمل طور پر نکالنے اور اس

سے تنفر کرنے کے لئے انہیں بچھڑے کو ذبح کرنے کا حکم دیا جس پر انہوں نے تقریباً ۴۰ سال بعد عمل کیا۔ لہٰذا یہ واقعہ اپنے پس منظر کے مطابق بالکل الگ ہے اور اس پر سب سے بڑی دلیل قرآن کا اسلوب ہے یعنی و اذ سے بیان کیا جانے والا ہر واقعہ ایک مستقل واقعہ ہوتا ہے۔

اسی طرح دوسرا واقعہ یعنی عامیل کا زندہ ہو کر اپنے قاتل کی نشاندہی کرنا یہ بھی الگ مستقل واقعہ ہے اور مذبوحہ بچھڑے کے کسی حصے کو مقتول کے جسم پر مارنے کا واقعہ تفسیری تخلیق ہے جبکہ قرآن مجید اپنے لفظوں سے ہی عامیل کے واقعہ کو و اذ سے بالکل الگ بتا رہا ہے۔۔۔ یہ واقعہ آیت ۷۲،۷۳ میں مذکور ہے، مقتول عامیل کے لئے لفظ نفسا استعمال ہوا ہے جب اسکے قتل کا الزام ایک دوسرے پر دھرا جا رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اضربوہ ببعضھا (مارو اس مردہ (مقتول) پر اس کا ایک حصہ) یعنی مقتول کے جسم کا کوئی حصہ اس کے جسم پر مارو، کیونکہ اضربوہ میں ہ کی ضمیر نفسا کی طرف راجع ہے، اسی طرح ببعضھا میں ھا ضمیر مؤنث بھی نفسا کی طرف راجع ہے اس لئے کہ نفس مؤنث معنوی ہے اسکی طرف مذکر و مؤنث دونوں ضمیریں راجع ہوتی ہیں۔ لہٰذا مقتول کو اسکے اپنے جسم کے ایک حصے کی ضرب سے زندہ کیا گیا۔ اسکی تائید صاحب جواہر القرآن کی اس عبارت سے ہوتی ہے ان الضمیر فی ببعضھا راجع الی النفس ایضا و معناہ اضربو النفس القتیلۃ ببعض نفسھا کالید ونحوھا (یعنی ببعضھا کی ضمیر نفس کی طرف راجع ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ مقتول شخص کو اسکے اپنے جسم کے ہی ایک حصہ سے مارو جیسے ہاتھ وغیرہ سے (جواہر القرآن ج ا زیر آیت ۷۳ مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی) یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ بقرہ سے مراد کیا ہے؟

بقر۔ اسم جنس ہے جو مذکر و مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس کی واحد بقرہ ہے۔ (المنجد ص ۴۴ دار المشرق بیروت)

بقر۔ اسکی واحد بقرۃ ہے۔ اس کی جمع باقر، بقیر، بیقور ہے، وقیل للذکر ثور اس کے مذکر کو ثور کہا گیا ہے۔ (مفردات امام راغب۔ ص ۵۶ (عربی) نور محمد کارخانہ تجارت کتب۔ کراچی)

البقر۔ گائے، بیل نر و مادہ دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، بقرۃ اس کی واحد ہے۔۔ بقر الوحش۔ نیل گائے، جنگلی گائے (القاموس الوحید، از مولانا وحید الزماں کیرانوی مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور، کراچی)

اصل لفظ بقر ہے جو اسم جنس ہے، گائے، بیل، بھینس، سانڈ، نیل گائے نر و مادہ جنگلی گائے نر و مادہ کے لئے برابر استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ نیل بیل یا جنگلی بیل کے لیے بھی بقر الوحش بولا جاتا ہے، امام

راغب اصفہانی لفظ قیل کے ساتھ کہتے ہیں کہ بیل کو ثور کہا گیا ہے اگرچہ اس سے انکار ممکن ہے لیکن قرآن مجید میں یہ لفظ ثور کہیں استعمال نہیں ہوا۔ البتہ تین چار مقامات پر لفظ عجل استعمال ہوا ہے جس کا معنی بچھڑا ہے اور اس لفظ بقرۃ سے بھی یہاں بچھڑا ہی مراد ہے۔ کیونکہ ان آیات میں بقرۃ کی جو اوصاف بیان کی گئی ہیں ان میں سے دو صفتیں بہت ہی اہم ہیں ایک یہ کہ اس سے زمین میں ہل چلانے کا کام نہ لیا گیا ہو، دوم اسے کھیت سیراب کرنے کے لیئے کنوئیں میں نہ جوتا گیا ہو۔ یہ دونوں کام معلوم دنیا میں بیلوں سے ہی لیے جاتے ہیں۔ نیز بنی اسرائیل جو اگر گائے کی پرستش کرتے تھے تو کیا وہ اپنے معبود سے زمین میں ہل چلواتے تھے؟ یا اسے کنوئیں میں بھی جوتتے تھے؟ جب کہ یہ دونوں کام گائے سے نہیں لیے جاتے لہٰذا یہاں بقرہ سے مراد گائے نہیں بلکہ بچھڑا ہے اور وہ بھی ایسا کہ جس سے محنت کا کوئی کام نہ لیا گیا ہو اگرچہ وہ جوانی میں قدم رکھ چکا ہو اسی طرح فارض اور بکر کے الفاظ ہیں کہ جو مذکر، بڑھاپے کے باعث اولاد بنانے کے اور مؤنث اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو اسے فارض کہتے ہیں یہ مذکر و مؤنث کسی بھی جنس سے تعلق رکھتے ہوں فارض ہی کہلائیں گے، ایسے ہی بکر، جوانی میں قدم رکھنے والی غیر استعمال شدہ مؤنث کو کہتے ہیں اور اسی تعریف کے حامل مذکر کو بھی بکر ہی کہتے ہیں۔ یعنی یہ دونوں صفتیں مذکر و مؤنث کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ لہٰذا لا ذلول تثیر الارض ولا تسقی الحرث جیسی صفتیں لا فارض اور لا بکر کو اپنے سایہ میں لے کر اشارہ دے رہی ہیں کہ بقرۃ سے مراد بچھڑا ہے۔ (میرے اس قول کی تائید و تصدیق امام راغب اصفہانی کی مفردات القرآن کے ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ البقر (اسم جنس) کے معنی بیل یا گائے کے ہیں اس کا واحد بقرۃ ہے قرآن میں ہے ان البقر تشابہ علینا کیونکہ بہت سے بیل ہمیں ایکدوسرے کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں۔ بقرۃ لا فارض ولا بکر کہ وہ بیل نہ تو بوڑھا ہو اور نہ بچھڑا ہو۔۔۔ بیل چونکہ کھیتی باڑی کے کام آتا ہے اس لئے زمین کو پھاڑنے اور جوتنے کے لئے بقر الارض کا محاورہ استعمال ہوتا ہے اور بیل چونکہ وسیع طور پر زمین کو پھاڑتا ہے اس لئے ہر وسیع شگاف کے لئے یہ لفظ استعمال ہونے لگا ہے (مفردات امام راغب مترجم محمد عبدہ فیروز پوری ص ۱۱۱ ج ا مطبوعہ شیخ شمس الحق اقبال ٹاؤن لاہور سن جون ۱۹۸۷ء)

علاوہ ازیں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ آثار قدیمہ کی تاریخ ہمیں یہ بتا رہی ہے کہ قدیم مصر سے لیکر قدیم سندھ تک کے مشرکین ہمیشہ بیل پرست رہے ہیں مصر، میسوپوٹیمیا، بابل و نینوا، فارس، موہن جو دڑو، عامری، گنویری والا، جلیل پور، ہڑپہ، ٹیکسلا اور گندھارا جیسی قدیم تہذیبوں کے کھنڈرات کی کھدائی کے دوران ان مقامات سے دیگر اشیاء کے علاوہ اس صنف میں زیادہ تر بیل کے ہی مجسمے ملے ہیں۔ اسی

طرح ان مقامات کے قدیم معابد میں سے دریافت شدہ پانچ سے سات ہزار سالہ قدیم تاریخی آثار میں مختلف دیوی دیوتاؤں کے مجسموں کے علاوہ نہ صرف بیل کے مجسمے ملے ہیں بلکہ بیل کی صورت میں کاشی کاری، مصوری اور نقاشی بھی ملی ہے۔ معابد یا معابد کے قرب وجوار میں نہ گائے کا مجسمہ ملا ہے اور نہ ہی تصویر کشی، نقاشی اور کاشی کاری میں گائے نظر آتی ہے، یہ تمام شواہد واضح کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل بچھڑے کی محبت وعقیدت میں گرفتار تھے اس لئے انہیں بچھڑا ذبح کرنے کا حکم دے کر یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ بقرۃ کی جنس بیل، گائے، بھینس، بھینسا، سانڈ، نیل گائے یا جنگلی گائے (نر و مادہ) کوئی بھی محبت، تعظیم اور پرستش کے لائق نہیں ہے، البتہ اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں کہ گاؤ ماتا کا تصور صرف ہند کے مشرکین میں نظر آتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

مقالہ نگاروں کے لیے خصوصی ہدایات

۱۔ مقالات علمی، فکری وتحقیقی نوعیت کے ہونے چاہئیں۔

۲۔ مقالات فل اسکیپ سائز کے اوراق پر کاغذ کے ایک طرف خوشخطی سے لکھے جائیں۔

۳۔ کمپوزڈ مقالات مع سی ڈی کے قابل ترجیح ہونگے۔

۴۔ بہتر ہوگا کہ مقالے کی اصل کاپی کے ساتھ دو نقول بھی ارسال فرمائیں۔

۵۔ مقالات ریفری کی مثبت رپورٹ کے بعد شائع کیے جائیں گے۔

۶۔ مقالہ نگار حضرات پہلے سے شائع شدہ مقالات ہرگز نہ بھیجیں۔ ورنہ ان کے مضامین کی اشاعت آئندہ کے لیے روک دی جائے گی۔

نوٹ: مجلس التفسیر بعض نامور علماء ومشاہیر اساتذہ کے جو علمی، فکری وتحقیقی مضامین منتخب کرکے شائع کرتی ہے وہ دراصل علمی ودینی خدمت کے پیش نظر ایسا کرتی ہے۔ مجلس التفسیر یہ سمجھتی ہے کہ نئے مگر معیاری مضامین ومقالات سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ پرانے مگر معیاری مضامین شائع کیے جائیں۔

(مجلس التفسیر)

یہود کا مذہبی ادب۔ قرآن کی نظر میں

سید عامر علی
رکن مجلس التفسیر، کراچی

دنیا کے کسی بھی مذہب کو سمجھنے کے سلسلے میں اہل مذہب کے دینی ادب کی اہمیت کو کسی طور پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے نزدیک کسی بھی مذہب کو سمجھنے کے لیے سب سے صحیح اور موثر ذریعہ اس کی مذہبی کتابیں ہیں اور مذہبی کتابوں سے آگاہی حاصل کرکے ہی اس مذہب کے صحیح خدوخال اور اصل روح تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ اس اصول کی روشنی میں سب سے پہلے یہودیت کے دینی ادب کا مختصر تعارف پیش کریں گے اور پھر اس پر قرآن مجید کی روشنی میں ایک تحقیقی اور جامع بحث کریں گے۔

(ان شاء اللہ عزوجل) ''وما توفیقی الا باللہ''

یہودیت کے دینی ادب کا مختصر تعارف

یہودیت کے دینی ادب کو عہد عتیق Old testament کہا جاتا ہے جو بائبل Bible کا ایک حصہ ہے۔ عہد عتیق کی دو قسمیں ہیں۔

الف۔ معتبر کتب: جس کی صحت پر جمہور علماء یہود ونصاریٰ متفق ہیں۔

ب۔ غیر معتبر کتب: جس کی صحت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

الف: عہد عتیق کی پہلی قسم (معتبر کتب):

عہد عتیق کی یہ قسم یہودیوں کے ۳۸ مقدس صحیفوں پر مشتمل ہے شروع کے پانچ صحیفوں کے مجموعے کو تورات ۲ کہا جاتا ہے۔

توارات کے مشمولات:

۱۔ سفر تکوین: اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے لوگوں اور خاص طور پر آل یعقوب کا حال بیان ہوا ہے۔ اس مجموعہ کو پیدائش بھی کہتے ہیں۔

۲۔ سفر خروج: اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے لے کر ان کے اعلان نبوت، کوہ طور پر جانے اور ان کو احکام دیئے جانے تک کے احوال مذکور ہیں۔

۳۔ سفر احبار: اس میں بڑی خصوصیت کے ساتھ بنی اسرائیل کی عبادتوں کے طریقے کا ذکر ہے۔

۴۔ سفر عدد: اس میں خروج کے بعد کے بنی اسرائیل کے احوال مذکور ہیں۔ اس کے علاوہ تدریجی احکام او رقوانین کا ذکر کیا گیا ہے۔

۵۔ سفر استثناء: اس میں تاریخی پس منظر پر نظر ڈالی گئی ہے۔ یہ صحیفہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ذکر پر ختم ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا پانچ صحائف کو اصل تورات کہا جاتا ہے اور اس کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کی جاتی ہے۔ عہد عتیق میں تورات کے پانچ صحائف کے بعد ۳۳ صحائف شامل ہیں۔ جو مختلف انبیاء علیہ السلام کی طرف سے منسوب ہیں ذیل میں ان ۳۳ صحائف کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ کتاب یوشع بن نون [4]
۲۔ کتاب القضاۃ [5]
۳۔ کتاب راعوث [6]
۴۔ سفر صموئیل اول [7]
۵۔ سفر صموئیل ثانی [8]
۶۔ سفر ملوک الاول [9]
۷۔ سفر ملوک الثانی [10]
۸۔ السفر الاول من اخبار الایام [11]
۹۔ السفر الثانی من اخبار الایام [12]
۱۰۔ السفر الاول لعزرا [13]
۱۱۔ السفر الثانی لعزرا [14]
۱۲۔ کتاب ایوب [15]
۱۳۔ زبور [16]
۱۴۔ امثال سلیمان [17]
۱۵۔ کتاب الجامعہ [18]
۱۶۔ کتاب نشید الانشاد [19]
۱۷۔ کتاب اشعیاء [20]
۱۸۔ کتاب ارمیاء [21]
۱۹۔ مراثی ارمیاء [22]
۲۰۔ کتاب حزقیال [23]
۲۱۔ کتاب دانیال [24]
۲۲۔ کتاب ہوشع [25]
۲۳۔ کتاب یوایل [26]
۲۴۔ کتاب عاموس [27]

یہود کا مذہبی ادب قرآن کی نظر میں — سید عامر علی

۲۵۔ کتاب عبدیاہ [28]
۲۶۔ کتاب یوناہ [29]
۲۷۔ کتاب میخاہ [30]
۲۸۔ کتاب ناحوم [31]
۲۹۔ کتاب حبقوق [32]
۳۰۔ صفونیا [33]
۳۱۔ کتاب حجی [34]
۳۲۔ کتاب زکریا [35]
۳۳۔ کتاب ملاخیاہ [36]

مذکورہ بالا ۳۸ کتب جمہور علماء یہود کے نزدیک معتبر و تسلیم شدہ ہیں سوائے سامری فرقہ [37] کے کہ ان کی نزدیک صرف سات کتابیں مسلّم ہیں جن میں پانچ تورات، کتاب یوشع بن نون اور کتاب القضاۃ شامل ہیں۔

ب: عہد عتیق کی دوسری قسم (غیر معتبر کتب):

عہد عتیق کی دوسری قسم کل ۹ صحائف پر مشتمل ہے۔ یہ وہ کتابیں ہیں جن کی صحت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۱۔ کتاب آستر [38]
۲۔ کتاب باروخ [39]
۳۔ کتاب دانیال کا ایک جزو [40]
۴۔ کتاب طوبیا [41]
۵۔ کتاب یہودیت [42]
۶۔ کتاب دانش [43]
۷۔ کلیسائی پندو نصائح [44]
۸۔ کتاب المقابین الاول [45]
۹۔ کتاب المقابین الثانی [46]

متذکرہ بالا تمام کتاب مختلف انبیاء علیہ السلام کی نسبت سے یہودیوں کے مذہبی ادب کا حصہ ہیں۔ ہمارے نزدیک ان میں سے کسی کتاب کو قطعیت کے ساتھ کسی نبی کی طرف سے منسوب نہیں کیا جا سکتا سوائے ''کتاب زبور'' کے کہ جس کا حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب ہونا نص قرآن [47] سے ثابت ہے۔ چنانچہ جس روایت کی تصدیق قرآن مجید کرتا ہو وہ یقیناً مقبول ہے اور اگر تکذیب کرتا ہو تو یقینی طور پر مردود ہے اور اگر اس کی تصدیق و تکذیب سے قرآن خاموش ہے تو ہم بھی خاموشی اختیار کریں گے نہ تصدیق کریں گے اور نہ تکذیب۔

راقم الحروف نے خوف طوالت کے زیر اثر یہودیت کے مذہبی ادب کے مختصر تعارف پر اکتفا کیا ہے جب کہ اس کے برعکس مناظر اسلام مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے اپنی کتاب [48] میں بڑی تفصیل کے ساتھ یہودیت کے مذہبی ادب پر محققانہ تبصرہ کیا ہے۔

حوادث زمانہ کے ہاتھوں تورات کا تلف ہونا اور اس کی نشاۃ ثانیہ

تاریخ سے ثابت ہے کہ حوادث زمانہ کے ہاتھوں تورات کئی بار تلف ہوئی۔ ۷۰۰ قبل مسیح میں سنے کرب حملہ آور ہوا اور یروشلم کا محاصرہ کر لیا۔ ۶۰۰ قبل مسیح میں بخت نصر حملہ آور ہوا اور یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس تباہی کا ذکر قرآن مجید ۴۹ نے بھی کیا اور اس تباہی میں تورات خاکستر ہو گئی اور یہودیوں کو مملکت بابل میں جلا وطن کر دیا گیا۔ تیسری دفعہ ۱۷۰ قبل مسیح میں یونانی بادشاہ انٹیوخس نے یروشلم پر حملے کیئے، مقدس صحیفوں کو جلایا اور یہودیوں کا قتل عام کیا۔ ۷۰ء میں چوتھی مرتبہ شہزادہ روم نے یروشلم پر حملہ کر کے اسے پیوند خاک کر دیا۔ شہزادہ روم کے حملے کے تقریباً ۶۵ سال بعد یہودوں کا رومیوں سے پھر مقابلہ ہوا جس میں پانچویں دفعہ یہودی شکست سے دوچار ہوئے۔ پھر ۴۰۰ء کے قریب چھٹی مرتبہ وحشی اقوام یہودیوں پر حملہ آور ہوئیں جس کے نتیجے میں یہودیوں کے مکتوبات، صحیفے اور کتب خانے نذر آتش ہو گئے۔ ساتویں مرتبہ ۶۱۳ء میں شاہ ایران خسرو پرویز نے یروشلم پر چڑھائی کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا۔ اس تمام تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہودیوں کے اصل صحائف مقدسہ حوادث زمانہ کی نذر ہو گئے۔ ۵۰

تورات کی نشاۃ ثانیہ:

تحقیق سے اس بات کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا کہ موجودہ صحائف تورات کب مرتب ہوئے عام خیال یہ ہے کہ بخت نصر کے یروشلم پر حملے کی تقریباً نصف صدی کے بعد عزرا نبی (حضرت عزیر علیہ السلام) نے اسیری کے زمانے میں اسفار موسیٰ کو بالمعنی طور پر جمع کیا لیکن اس کے بعد یونانیوں اور رومیوں کے مسلسل حملوں نے ایک بار پھر بخت نصر کی یاد تازہ کر دی جس کے نتیجے میں یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کی جمع کردہ تورات سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس کے بعد یہوداہ مقابی نے تورات کی بالمعنی طور پر از سر نو تدوین کی مگر اس کے باوجود یہ کئی بار ضائع ہوتی رہی اور اسے بار بار جمع کیا جاتا رہا۔ ۵۱

فلسطین طویل عرصے تک سکندر اعظم کے زیر اقتدار رہا۔ سکندر اعظم نے اپنی فتوحات کا سلسلہ یہاں تک وسیع کیا کہ اس کی فوجیں پنجاب تک اپنی فتح کے علم گاڑتی ہوئی بڑھتی چلی گئیں۔ ۵۲ سکندر اعظم کی عالمگیر فتوحات کے سیلاب نے حکومت کے ساتھ یہودیوں کے علوم و آداب پر بھی گہرا اثر ڈالا جس کے نتیجے میں ۲۸۰ قبل مسیح میں تورات کی تمام کتابیں یونانی زبان میں منتقل کر دی گئیں اور رفتہ رفتہ اصل عبرانی نسخہ متروک ہو کر یونانی ترجمہ رائج ہو گیا۔ ۵۳

موجودہ تورات کے متعلق یہودی اور عیسائی علماء و مفکرین کا نظریہ

تورات میں تحریف اور بگاڑ پیدا ہونے کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ وہ سات بار تباہ و برباد ہو کر کرۂ ارض سے ناپید ہوئی، کسی کتاب کا اتنی بار صفحۂ ہستی سے مٹنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کتاب اپنی اصلی حالت میں قائم نہیں رہی۔ یہ دلیل اتنی روشن تھی کہ جس کی ضیا پاشی کے سامنے یہودی اور عیسائی علماء کے چراغ بھی ماند پڑ گئے اور آخر کار انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ تورات تحریف و تبدیل سے مبرا نہیں ہے۔ یہود و نصاریٰ کے انہی اعترافات کو بیان کرتے ہوئے دور حاضر کے مفسر قرآن علامہ غلام رسول سعیدی رقم طراز ہیں۔

"پہلی صدی عیسوی تک تمام یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ متفقہ عقیدہ تھا کہ تورات باقی تمام صحائف سمیت یعنی مکمل عہد نامہ قدیم لفظاً لفظاً وحی منزل من اللہ (اللہ کا کلام) ہے۔ اوریجن متوفی ۲۵۴ء پہلا عیسائی عالم تھا جس نے یہ اعتراف کیا کہ عہد نامہ قدیم کی بعض عبارتیں معنوی طور سے صحیح نہیں ہیں اور بعض عبارات اخلاقی اعتبار سے پست اور مذموم ہیں۔۔۔۔ اسی طرح ایک ہسپانوی یہودی عالم ابن عذراء متوفی ۱۱۶۷ء نے تحقیق کی کہ صحائف خمسہ (تورات) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کی تالیف ہیں۔ ایک فاضل جرمن عالم راو مارس متوفی ۱۷۶۸ء نے بائبل کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کیا"۔ ۵۴

انسائیکلو پیڈیا کا اعتراف:

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا انگلستان کے بہت سے علماء کی متفقہ تالیف ہے جس میں واضح طور پر تورات کے الہامی نہ ہونے کا اعتراف کیا گیا ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

"وہ تمام حالات و واقعات جو اس (تورات) میں بیان کیئے گئے ہیں جیروم، کرومیس، پروکوپیس اور بہت سے دوسرے علماء کہتے ہیں کہ ان کا ہر قول الہامی نہیں ہے"۔ ۵۵

انسائیکلو پیڈیا امیلیکا میں بھی عہد نامہ قدیم کو خدائی کتاب ماننے سے انکار کیا گیا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

"حقیقت یہ ہے کہ عہد نامہ قدیم اپنے ابتدائی زمانہ میں کوئی مذہبی تقدس نہیں رکھتا تھا اس لیئے جہاں بھی تبدیلیوں سے مضمون میں اصلاح کی امید کی جاتی تھی وہاں تبدیلیاں کر دی جاتی تھیں"۔ ۵۶

قرآن کی رو سے تورات کی حیثیت

قرآن کریم کی رو سے تورات کا دین وہی تھا جو خود قرآن کا دین ہے اور موسیٰ علیہ السلام اسی

طرح اسلام کے پیغامبر تھے جس طرح نبی کریم ﷺ ہیں۔ ابتداء میں بنی اسرائیل اسی دین کے عالم تھے مگر بعد میں انہوں نے اصل دین میں اپنی خواہشات کے مطابق تبدیلیاں کر کے ایک نیا مذہبی نظام یہودیت ۵۷ کے نام سے بنالیا۔ اسطرح تورات کی دو حیثیتیں ہیں ایک اصل تورات جو منزل من اللہ ہے اور قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے۔ دوسری موجودہ تورات جس کے محرف ہونے پر نہ صرف قرآن شاہد ہے بلکہ خود علماء یہود بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

اصل تورات منزل من اللہ ہے:

قرآن مجید میں کئی مقامات پر تورات کے لیے تعریفی اور ستائشی کلمات استعمال ہوئے ہیں۔ تورات کی تعریف کرنا قرآن کریم کا امتیاز ہے ورنہ کسی اور مذہبی کتاب نے کسی دوسری مذہبی کتاب کی اس قدر تعریف اور ستائش نہیں کی۔ قرآن مجید تورات کو کہیں ہدایت اور نور ۵۸ قرار دیتا ہے تو کہیں فرقان، ضیاء اور نصیحت ۵۹ جیسی تعریفی سند عطا کرتا ہے۔ قرآن کریم کا اس قدر تعریف کرنا ہی تورات کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ تورات کے منزل من اللہ ہونے پر دوسری بڑی دلیل قرآن کا تورات کی تصدیق کرنا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"نزل علیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیه وانزل التورة"۔۶۰

مذکرہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب تفہیم القرآن کہتے ہیں:

"قرآن کریم تورات کی تصدیق کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان اجزاء (تورات) کو جمع کر کے جب قرآن سے ان کا تقابل کیا جاتا ہے تو بجز اس کے کہ بعض مقامات پر جزوی احکام میں اختلاف ہے اصولی تعلیمات میں دونوں کتابوں کے درمیان یک سر موفرق نہیں پایا جاتا آج بھی ایک ناظر صریح طور پر محسوس کرسکتا ہے کہ یہ دونوں چشمے ایک منبع سے نکلے ہوئے ہیں"۔۶۱

موجودہ تورات کے محرف ہونے کا ثبوت

صاحب تدبر قرآن کے نزدیک تحریف کا مفہوم ہے "حرف الشی عن وجہہ" جس کے معنی ہیں "کسی شے کو اس کے صحیح رخ سے موڑ کر دوسری سمت میں کر دینا" اسی سے "حرف الکلام" ہے جس کے معنی بات یا کلام کے بدل دینے کے ہیں۔۶۲ تحریف پر تحریف کا اطلاق صرف اسی صورت میں ہوتا ہے جب وہ دانستہ طور پر بوجھ بوجھ رکھنے کے باوجود کی جائے۔ یہی علم و شعور ہے جو در حقیقت تحریف کو ایک سنگین جرم بناتا ہے۔ یہودیوں کے علماء اسی سنگین جرم کے مرتکب ہوئے تھے جس کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

وقد کان فریق منهم یسمعون کلام الله ثم یحرفونه من بعد ما عقلوه وهم

یعلمون۔۶۳

تحریف سے متعلق آیات کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب ضیاء القرآن رقم طراز ہیں:

"تحریف دو طرح کی ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ الفاظ میں ہی رد و بدل کر دیا۔ اصل عبارت کچھ تھی اس کو بگاڑ کر رکھ دیا دوسری یہ کہ الفاظ میں تو قطع و برید نہ کی لیکن اس کا مفہوم غلط بیان کر دیا۔ یہود اپنی آسمانی کتاب میں دونوں طرح کی تحریف سے باز نہیں آتے تھے"۔۶۴

یحرفون الکلمه عن مواضعه ۶۵ کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں: "یہود تورات میں موجود اللہ تعالیٰ کے احکام کو پھیر دیتے تھے ایک قول یہ کہا گیا کہ اس سے مراد حضور ﷺ کی نعت کو بدلنا ہے ایک قول ہے کہ غلط تاویل کرنا یہ جملہ مستانفہ ہے جو ان کے دل کی سختی بیان کرنے کے لیے آیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف اور اس پر افتراء باندھنا انتہائی سخت دل ہونے کا نتیجہ ہے"۔۶۶

قرآن کریم نے تورات کو محرف اور موضوع بھی فرمایا ہے اور اس کی تصدیق بھی کی ہے اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ کل موجودہ تورات کو قرآن مجید محرف اور موضوع نہیں فرماتا اور نہ کل کی تصدیق کرتا ہے یعنی قرآن کریم پوری تورات کو تحریف شدہ قرار نہیں دیتا بلکہ صرف ان مقامات کو جہاں علماء یہود نے تبدیلیاں کر دیں اور اسی طرح قرآن مجید پوری تورات کی تصدیق نہیں کرتا بلکہ صرف ان مقامات کا مصدق ہے جن مقامات پر احکام الٰہی آج بھی اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں۔

موجودہ تورات کی بعض وہ آیات جن کا قرآن مصدق ہے:

تورات کی بعض آیات ایسی ہیں جو آج بھی اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں۔ قرآن مجید نے جو فرمایا ہے کہ وہ تورات کا مصدق ہے اس کا تعلق ان ہی آیات سے ہے۔ ذیل میں تورات کی ان چند آیات کا ذکر کیا جا رہا ہے جو قرآن کے معیار پر پورا اترتی ہیں۔

تورات کی آیات

۱۔ "سن اے اسرائیل! خداوند ایک ہی خداوند ہے" (استثناء باب ۵: آیت ۴)

۲۔ اور تجھ کو ذرا ترس نہ آئے جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں۔ (استثناء باب ۱۹: آیت ۲۱)

۳۔ اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا۔ (استثناء باب ۲۷: آیت ۱۶)